کہ اعتدال اور توازن کا دامن تھامے رکھیں کسی ایک بچے کی طرف زیادہ التفات دوسرے بچوں کو آپ سے اور اس بچے سے دور کر سکتا ہے۔ ہمارے ہاں ایک عمومی رویہ ہے کہ والدین بیٹوں کے ساتھ زیادہ تعلق خاطر رکھتے ہیں ان کی تعلیم اور پرورش میں کوتاہی نہیں ہونے دیتے لیکن بیٹیوں کے ساتھ معاملہ ذرا مختلف ہوتا ہے عموماً انہیں اپنے حق سے محروم رکھا جاتا ہے اور ان کے ساتھ معاملات میں سرد مہری برتی جاتی ہے مثلاً لڑکے کو رات سوتے وقت گرما گرم دودھ کا پیالہ ملتا ہے لیکن لڑکی کو بچا کچھا کھانا پڑتا ہے آپ کا رویہ جہاں آپ کے لئے دین و دنیا کے اعتبار سے خسارہ کا باعث ہوگا وہیں اس بچی کا مستقبل بھی تاریک ہو جائے گا۔ نبی کریم ﷺ نے بچیوں کی تعلیم کی خاص ہدایت فرمائی ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے ''جو شخص دو لڑکیوں کی پرورش کرے یہاں تک کہ وہ بلوغت کو پہنچ جائیں تو وہ قیامت میں میرے ساتھ ہوگا'' (مسلم)

اسی طرح ایک دوسری حدیث میں ارشاد گرامی ہے۔ ''جس نے تین لڑکیوں کی پرورش کی، ان کی اچھی تربیت کی ان سے حسن سلوک کیا پھر ان کا نکاح کر دیا تو اس کے لئے جنت ہے'' (ابوداؤد)

رسول اللہ ﷺ نے بچیوں کے معاملے میں خاص تاکید اس لئے فرمائی کہ معاشرے میں بیٹی کو بیٹے کے مقابلے میں کمتر سمجھا جاتا ہے۔ اس لئے آپ نے ان کے ساتھ حسنِ سلوک کی تاکید بھی فرما دی اور اس کے بدلے اجر و ثواب، اپنی معیت اور جنت کی بشارت بھی دے دی۔ خاندانی زندگی میں توازن قائم رکھنے کے اور بھی مقام ہیں۔ مثلاً عزیز و اقارب سے تعلق میں، دوستوں کے ساتھ دوستی میں، معاملات میں، گھریلو اخراجات میں غرض اس توازن کی کوئی حد نہیں، ہر معاملے میں اعتدال اور توازن ضروری ہے حتیٰ کہ عبادات میں بھی۔

رہنمائی کیجئے: آپ کی اولاد آپ کے پاس اللہ کی امانت ہے، اس امانت کا حق یہ ہے کہ اس کی صحیح رہنمائی کی جائے، زندگی کے مختلف مرحلوں پر پیش آمدہ حالات سے بروقت آگاہ کیجئے۔ بچے تعلیم حاصل کر رہے ہیں تو انہیں مستقبل کے حوالے سے مناسب اور دین و دنیا کے اعتبار سے بہتر مشورہ دیجئے، ان کے مزاج و نفسیات کو دیکھتے ہوئے ان کے لئے مناسب شعبہ تجویز کیجئے۔ دوستوں کے انتخاب، کاروباری اسلوب، عام لوگوں کے معاشرے میں چلن، زمانے کی اونچ نیچ، ان تمام معاملات کے متعلق ایک مربی کی حیثیت سے آگاہی دیجئے تاکہ انہیں آپ کے تجربات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اطمینان کے ساتھ شاہراہ حیات پر گامزن رہ سکے۔

موجودہ دور میں بچوں میں نت نئی باتیں اور سوال کرنے کا رجحان بہت زیادہ ہے، انہیں کسی چیز سے منع کیا جائے تو وہ علت جانے بغیر اس چیز کو ترک کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے جبکہ حکم چلانے کی صورت میں باغیانہ جذبات پرورش پاتے ہیں۔ اس لئے حکمت کا تقاضہ ہے کہ انہیں اپنے قریب کیا جائے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ کسی کے بارے میں سوال کریں۔ تو معقول جواب دیا جائے وہ کوئی اچھا کام کریں، تعلیمی میدان میں کوئی معرکہ سر کریں تو تعریف اور انعام سے نوازیں انہیں اپنے پاس بیٹھنے اور بات چیت کرنے کا موقع دیں، ان کی دلچسپیوں میں آپ بھی دلچسپی لیں، بچے کیا پڑھ رہے ہیں اس کا جائزہ لیں مگر یہ بھی نہیں کہ ان پر نادیدہ استوار کرنے کیلئے بچوں کی حرکات و سکنات پر نظر بھی رکھیں۔ غلط حرکت پر مناسب انداز میں سمجھائیں۔ ماہرین نفسیات کہتے ہیں کہ بچوں میں ہر وہ کام کر

گزرنے کی تمنا ہوتی ہے جس سے منع کیا جائے لہذا بچے کو محض منع کرنے کی بجائے اس کو رکھنے پر قائل کریں۔ آپ کی طرف سے محبت اور دلیل سے سمجھائی ہوئی بات یقیناً پائیدار ہوگی، بجائے اس کے کہ آپ مار پیٹ سے کام لیں۔

مشاورت کا اہتمام کیجئے: موقع بموقع مشاورت کا اہتمام کریں اپنی اولاد سے مشورہ لیں، خیال رکھیں کہ جب کوئی فرد مشورہ دے رہا ہو چاہے وہ بچہ ہی کیوں نہ ہو اس کی بات کو دھیان سے سنیں، اسے اپنی بات کہنے کا موقع دیں، اس کی رائے کو مذاق میں نہ اڑائیں بلکہ اسے احساس دلائیں کہ آپ نے اس کی بات غور سے سنی ہے۔ اور اس کی رائے میں وزن ہے۔ تو تکار کی زبان سے اجتناب کریں۔ کوئی فرد ناگوار بات کہے تو تحمل سے سنیں اور سمجھائیں کسی کی بات پر جرح نہ کریں۔ یہ آپ کے لئے بہترین موقع ہوگا کہ اپنی اولاد میں بات کرنے کا سلیقہ اور خود اعتمادی پیدا کرسکیں۔ جب فیصلہ کرنے لگیں تو ایسا فیصلہ کریں جس میں خاندان کے تمام بڑوں اور بچوں کے جذبات کی ترجمانی ہو، فیصلہ کرنے میں تقویٰ کو معیار بنائیں۔

اپنے گھر کو صاف ستھرا رکھیئے: اپنے گھر کو صاف ستھرا رکھئے، گھریلو اشیاء میں بے ترتیبی نہ ہو، ہر چیز اپنے مقام اور مناسب انداز میں رکھی آئے، بستر کی چادریں، پہننے کا لباس، دروازوں پر لٹکے ہوئے پردے غرض ہر چیز صاف ہو۔ آپ کا باورچی خانہ کباڑ خانہ نظر نہ آئے۔ اسی طرح دیواروں پر جالے یا کونوں کھدروں میں کیڑے مکوڑے چھپے ہوئے نظر نہ آئیں۔ یہ آپ کا ظاہری ماحول ہے جو آپ کے باطنی پاکیزگی، طبعی نفاست اور معاشرتی تہذیب پر دلالت کرتا ہے۔ صاف ستھرے ماحول انسانی قلب پر بہت اثر ہوتا ہے طبیعت مسرور اور مطمئن رہتی ہے۔

آپ گھر میں داخل ہوں تو: "اللهم انی أسألك خير لمولج وخير المخرج بسم الله ولجنا وبسم الله خرجنا وعلى الله ربنا توكلنا" (سنن أبی داؤد، كتاب الأدب، رقم الحديث:۴۴۳۴) پڑھ کر داخل ہوں۔

نکلیں تو: "بسم الله توكلت على الله لا حول ولا قوة الا بالله" (سنن الترمذی، كتاب الدعوات، رقم الحديث:۳۳۴۸) پڑھ کر نکلیں۔

اور اس دعا کو تو معمول بنالیں "اللهم اغفرلی ذنبی ووسع فی داری وبارك لی فيما رزقتنی" (سنن الترمذی، كتاب الدعوات، رقم الحديث:۴۳۲۲)

ترجمہ: اے میرے رب! میرے گھر کو وسیع کردے اور میرے رزق میں برکت عطا فرمادے۔

ان شاء اللہ جب آپ مندرجہ بالا روایت کو اپنے گھر میں زندہ کریں گے تو اس دنیا میں ہی جنت کے مزے لیں گے۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمين

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

فقہ المعاملات

کمیشن پر خرید وفروخت سے متعلق استفتاء اور فقہی تحقیق

مولانا مفتی عظمت اللہ بنوی

استاد شعبہ تخصص فی الفقہ جامعہ المرکز الاسلامی ڈیرہ روڈ بنوں

﴿ذیلی عنوانات﴾

نمبر شمار	ذیلی عنوانات	نمبر شمار	ذیلی عنوانات
1	بروکری کا اصل حکم	2	فقہائے متقدمین میں کراہت کے قائلین
3	موجودہ دور میں مفتیٰ بہ حکم	4	کمیشن کے معاملہ پر تعامل ناس ثابت ہونے پر فقہاء کے تصریحات
5	کمیشن کے جواز کا دوسرا طریقہ	6	جعالہ پر احناف کا تبصرہ
7	جواز پر فقہائے کرام کی تصریحات	8	جانبین سے اجرت لینا
9	اصل بائع یا مشتری کو معلوم کرائے بغیر اجرت لینا	10	خلاصة البحث

محترم مفتی صاحب آج کل کمیشن پر خرید وفروخت رائج ہو چکا ہے۔شرعاً اس کی کیا حیثیت ہے؟

اس کی تفصیل کچھ یوں ہے۔

کہ کچھ لوگ دکانوں اور زمین وغیرہ کے خرید وفروخت کا کام کرتے ہیں۔ بلکہ انہوں نے اس کیلئے خاص دفاتر بنائے ہیں۔اگر کوئی شخص اپنی دکان یا زمین بیچنا چاہے تو ان لوگوں کے پاس چلا جاتا ہے اور دکان یا زمین ان کے حوالے کر دیتا ہے کہ اس کو بیچ دینا۔تو جب مذکورہ کاروبار والے لوگ اس دکان یا زمین کو فروخت کر لیتے ہیں۔تو یہ لوگ کمیشن لیتے ہیں۔خریدنے والے پارٹی اور بیچنے والے پارٹی سے مثلاً ایک دکان 80000 اسی ہزار کی فروخت ہو جاتی ہے تو اس میں اس کی کمیشن ہوتی ہے اور خریدنے اور بیچنے والے سے کمیشن وصول کرتے ہیں شرعی اعتبار سے درست ہے؟ خادم رسول زمان ولد حبیب الرحمٰن جامعہ المرکز الاسلامی غوریوالہ بنوں

الجواب بعون الملك الوهاب

واضح رہے کہ کمیشن یعنی دلال پر خرید وفروخت فقہ اسلامی میں اس کا تعلق اجارہ یا جعالہ کے ساتھ ہے اس کی حقیقت کچھ یوں ہے۔

کہ ایک شخص بائع اور مشتری کے درمیان میں اگر ان کی خرید وفروخت میں مددگار بنتا ہے اور وہ شخص اس کام پر اجرت لیتا ہے جو عموماً قیمت سے کمیشن کے نام پر فی صد کے حساب سے کاٹ لی جاتی ہے۔

شریعت اسلامیہ کے ماخذ ومنبع اصلی قرآن وسنت میں اس بارے میں کوئی واضح تصریح اور احکام نہیں ملتے ہیں لہذا فقہائے کرام نے استنباط واجتہاد اور قیاس کے سہارے سے اس مسئلہ کا حل نکالا ہے۔لیکن حضرت ابن عباسؓ سے "قدرے متعلق جو مسئلہ ھذا سے ہے"

روایت ملتی ہے جو صحیح البخاری میں منقول ہے۔

عن ابن عباسؓ قال: نهى رسول الله ﷺ ان يتلقى الركبان، ولا يبيع حاضر لباد، قلت يا ابن عباس ماقوله له يبيع حاضر لباد؟ قال يكون له سمساراً (جلد اص ۳۰۳: رقم الحديث: ۲۲۷۴)

اس حدیث کے اندر بیع حاضر لبادی یعنی شہری کا گاؤں سے آنے والے بائع (بیچنے والا) سے شہر کے باہر مل کر خرید لینے کو سمسرہ یعنی بروکری کی شکل قرار دی گئی۔ مگر یہ حدیث ہمارے اس مسئلہ کے ساتھ واضح طور متعلق نہیں تاہم کچھ مشابہت ضرور ہے۔ اور فقہ حنفی میں بیع حاضر لبادی کی جو تشریح کی گئی ہے۔ اس میں یہ بات مسلمہ ہے کہ بیع حاضر لبادی اس وقت ناجائز قرار ہوگا جبکہ اس سے تلبیس اور عوام کو ضرر پہنچے۔ اسی علت کو صاحب ھدایہ نے یوں بیان کیا ہے۔

قال وعن بيع الحاضر للبادى، فقد قال عليه الصلاة والسلام لا بيع الحاضر للبادى وهذا اذا كان اهل البلدة فى قحط وعوز، وهو بيع اهل البدو، وطمعا فى الثمن العالى لمافيه من الا ضرار بهم امااذالم يكن كذلك، لابأس به لانعدام الضرر. (۲۹/۳ كتاب البيوع فصل فى ما يكره)

اور اگر معاملہ ایسا نہ ہو تو نفس سمسرہ یعنی دلالی کا حکم کیا ہے اس سے حدیث خاموش ہے، بالآخر قیاس ہی اس کا ملجا رہا۔

بروکری کا اصل حکم:

حنفی مذہب کے متقدمین فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ دلالی پر کمیشن لینا ناجائز اور حرام ہے اور اس کو ''اجارۂ فحل'' یعنی نر کو جفتی کیلئے اجارہ پر لینے پر قیاس کیا گیا اور اجارۂ فحل کی حرمت حدیث سے ثابت ہے۔ چنانچہ ''تجرید'' میں ہے۔

مسئله ۱۸۹۳ اجارة السمار قال اصحابنا اذا استاجر رجلا، لبيع له ثوبا، لم يجز وقال الشافعى "يجوز" لنا ان العقد يتناول منفعة عين لا يمكنه إيفائها بنفسه، فوجب ان لايصح العقد اصله اذا استأجره ليحمل له خشبة، لا يقدر الواحد على حملها، لان العقد لم يتناول منفعة المستأجر، ولو قال على ان يتحملها بنفسسك بطل العقد وانما يقع العقد على عمل مطلق وفى مسئلتنا وقع على عمله، لانه لا يجوز أن يؤجل غيره بالشراء وهو لا يقدر على ايفاء المعقود عليه. (التجريد: ۷/۳۷۹۳)

اور اس عدم جواز کی علت کے طور مختلف وجوہ ذکر کیے گئے ہیں۔ چنانچہ فتح الباری شرح البخاری میں معقود علیہ کا غیر مقدور التسلیم یعنی جس کام پر اجارہ کیا گیا اس کا ادا کرنا قدرت کے ماتحت نہ ہونا اور غیر متقوم یعنی قابل قیمت نہ ہونا، مجہول ہو وغیرہ کو علت قرار دی ہے۔

وقال وعلى كل تقدير، فبعه، اجرته حرام، لانه غير متقوم، ولامعلوم، ولامقدور على تسليمه (۷۶۱/۴ باب عيب الفحول)

کمیشن کے معاملہ پر مذکورہ علتوں کے موجود ہونے کی تصریحات: فقہائے کرام نے ان علتوں کا کمیشن کے معاملہ پر

موجود ہونے کی تصریح کی ہے۔ چنانچہ بدائع الصنائع میں منفعت کی مقدار مجہول ہونے کو علت قرار دی ہے۔

ولو استأجر انسانا البيع له ويشترى، ولم يبين المدة، لم يجز لجهالة قدر منفعة البيع والشراء (۴/۱۸۴)

اور المحیط البرہانی میں اس کا مجہول ہونے کی تصریح ان الفاظ میں کی گئی ہے۔ ولو استأجر انساناً، ليبيع له ويشترى، ولم يبين المدة، لم يجز لجهالة قدر منفعة البيع والشراء قد يتمان بكلمة واحدة، وقد يتمان بكلمات فكان المعقود عليه مجهولا (۱۱/۳۲۵)

اور ''مبسوط للسرخسي'' میں عمل مجہول ہونے اور وہ غير مقدورا لتسليم یعنی اس کو ادا کرنا قدرت سے خارج ہونے کی تصریح کی ہے۔

واذا دفع الرجل الى سمسار ألف درهم، وقال اشتربها زطيالى بأجر عشرة دراهم، فهذا فاسد؛ لأنه استأجر لعمل مجهول، فالشراء قديتم بكلمة واحدة، وقد لا يتم بعشر كلمات، ثم استأجره على عمل لا يقدر على اقامته بنفسه، فان الشراء لايتم مالم يساعده البائع على البيع (۱۵/۱۵ باب السمسار)

اسی طرح اجرت کی جہالت کی تصریح علامہ عینی نے ابوثور کے حوالہ سے ذکر کیا ہے۔

وقال ابوثور: اذا جعل له في كل الف شيئا معلوما، لم يجز، لان ذلك غير معلوم، فان عمل على ذلك، فله اجره (۱۰/۸۵ كتاب الا جارة باب السمسره)

اور ''جامع الفصولين'' میں غیر مقدور التسلیم ہونا علت کے طور پر ذکر کیا ہے۔ جیسا کہ اس عبارت سے مفہوم ہوتا ہے۔ احكام الدلالى وما يتعلق به، امر سمسار اليشترى له، او دلالاً ليبيع له ثوبا بدرهم لم تجز الاجارة اذالبيع يتم بالمشترى لا بالدلال ولا يدرى متى يجيء المشترى (۲/۲۱۱)

اور اسی طرح عدم جواز حرمت پر تصریح ''الفقه على للذاهب الاربعة'' میں ہے

واما الاشياء المختلف فى جوازاستيجارهاومن ذلك اجرة السمسار والدلال، فان الاصل فيه عدم الجواز. (۳/۱۲۹)

اسی طرح ''المحيط البرهانى'' میں ہے

اذا استاجر الرجل سمسارا؛ ليشترى له الكرابيس اواستاجر دلالا؛ ليبيع له ويشترى، فان لم يتبين لذلك اجل لايجوز وماتواضعوعليه ان من كل عشرة دنانير كذا، فذاك حرام عليهم. (۱۱/۳۵۰ بيان مايجوز من الاجارات)

اور ''ردالمحتار'' میں ہے

قال فى التاتار خانية: وفى الدلال والسمسار يجب اجر المثل، وماتواضعوا عليه ان فى كل عشرة دنانير كذا،

فذالك عليهم. (٦/٦٣(ط. ايچ ايم سعيد)

فقہائے متقدمین میں کراہت کے قائلین:

اوراسی کراہت کے قائلین میں سے ثوری حماداورابوثور تھے چنانچہ ''مغنی لابن قدامه''میں ہے۔

(٤١٩٧)فصل وجوزان يستاجر سمسارا؛ليشترى له ثيابا،ورخص فيه ابن سيرين وعطاء والنخعى وكرهه الثورى وحماد. (٦/٤٦ ط. ايچ ايم سعيد)

''عمدة القارى للعينى،'' میں ہے

وقال ابوثور:اذا حصل له فى كل الف شيئا معلوما،لم يجز؛لان ذلك غير معلوم،فان عمل على ذلك فله اجره . (١٠/٨٥ .مطبعه مصطفىٰ كراتشى)

موجودہ دور میں مفتیٰ بہ قول:

دلالی ایک ایسا معاملہ ہے جسکی حاجت ہوتی رہتی ہے، کیونکہ اس میں تعامل ناس ہے جبکہ تعامل کی وجہ سے قیاس کو ترک اور نص کے عموم سے تخصیص جائز ہے۔

جیسا کہ''رسائل ابن عابدين''میں ہے۔

والتعامل حجة،يترك به القياس،ويخص به الاثروتخصيص النص بالتعامل جائز،الاترى اناجوزنا الا ستصناع للتعامل،والاستصناع بيع ماليس عنده،وانه منهى عنه،وتجويز الاستصناع بالتعامل تخصيص منا للنص الذى ورد فى النهى عن بيع ماليس عنده الانسان،لا ترك للنص اصلا لانا عملنا بالنص فى غيرالاستصناع .

قالوا:هذا بخلاف مالوتعامل أهل بليدة قفيز الطحان،فانه لا يجوز،ولا تكون معاملتهم معتبرة؛لانا لو اعتبرنا معاملتهم كان تركاللنص أصلا،وبالتعامل لا يجوز ترك النص اصله.وانماتخصيص فترك التعامل من اهل بلدة اخرى يمنع التخصيص،فلا يثبت التخصيص بالشك بخلاف التعامل فى الاستصناع؛فانه وجد فى البلاد كلها.انتهى كلام الذخيرة.(٢/١١٦) ۔

خلاصہ یہ ہے کہ اگر تعامل عام ہو یعنی ہر بلاد میں لوگوں کا اس پر ردعمل ہوتو اس میں قیاس کو چھوڑنا اور نصوص کے عموم سے تخصیص کرنا بھی جائز ہے۔

کمیشن کے معاملہ پر تعامل ناس ثابت ہونے پر فقہاء کی تصریحات:

دلالی اور بروکری، جسکو عربی میں سمسرہ بھی کہا جاتا ہے اس میں تعامل ناس ثابت ہے، اوراس کی حاجت ہوتی ہے لہٰذا متاخرین نے اس

پر جواز کا فتویٰ دیا ہے، چنانچہ علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:

وفی الحاوی لماسئل محمد بن سلمة عن اجرة السمسار فقال ارجوانه لاباس به،وان کان فی الاصل فاسدا، لکثرة التعامل،وکثیر من هذا غیر جائز،فجوزوه لحاجة الناس الیه،کد خول الحمام.(۶/۶۳،مطلب فی اجرة الدلال)

اسی طرح صاحب ''البحر الرائق'' زین الدین بن نجیم اپنی کتاب ''الاشباه والنظائر'' میں لکھتے ہیں:

اجارة المنادی والسمسار والحمام ونحوها جائزة للحاجة،السکوت فی الاجارة رضاء وقبول .(ص:۲۷۰)

اور''الفقه علی المذاهب الأربعة'' میں عبدالرحمن الجزیریؒ نے لکھا ہے:

وأما الاشیاء المختلف فی جواز استیجارها....ومن ذلك اجرة السمسار والدلال،فان الاصل فیه عدم الجواز،لکنهم اجازوه کحاجة الناس،کدخول الحمام،علی ان الذی تجوزمن ذلك انماهواجر المثل فاذا اتفق شخص مع دلال أومع سمسارعلی أن یبیع له ارضامایة جنیه علی ان یکون له فرشین فی کل جنیه مثلا، فان ذلك لا ینفذ،وانما الذی ینفذ هوان یأخذ الدلال اجرة مثله فی هذه الحالة. (۳/۱۷۲)

اورعلامہ عینی سے ابوعبدالملک کا قول نقل کیا۔

اجر السمسار محمولة علی العرف،یقل عن قوم،ویکثر عن قوم،لکن جوزت؛لمامضی من عمل الناس علیه علی انها مجهولة،قال ومثل ذلك اجرة الحمام. (۱۰/۸۵)

حضرت ظفر احمد عثمانی نے ''اعلاء السنن'' میں اپنی رائے کا اظہار کچھ اس طرح سے کیا ہے۔

قلت والحاصل ان الجهالة الیسیرة عفوفی ماجری به التعامل،لکونها لاتفضی الی النزاع عادة، (۱۶/۲۱۲)

لہٰذا معلوم ہوا کہ اگرچہ اصل میں کمیشن پر خرید وفروخت کرنا ناجائز تھا لیکن بعد میں لوگوں کا اس معاملہ پر عمل عام ہونے اور اس کی حاجت کی وجہ سے جائز قرار دیا گیا ہے، کیونکہ جس معاملہ پر عدم جواز کا حکم قیاس سے ثابت ہوا اس پر لوگوں کا تعامل اور ان کی حاجت کی وجہ سے گنجائش آجاتی ہے، اور قیاس کو چھوڑ کر جواز کا فتویٰ دیا جاتا ہے، تاکہ لوگوں پر تنگی نہ ہو، جبکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

یریدالله بکم الیسرولایرید بکم العسر. (اللہ تعالیٰ تم سے آسانی کا ارادہ رکھتا ہے تنگی کا ارادہ نہیں رکھتا)

جواز کا دوسرا طریقہ اس معاملہ کو جعالہ قرار دینا:

اور بہت سارے فقہاء کرام اس مسئلہ کے جواز کیلئے اس کو اس پہلو میں لے گئے کہ یہ جعالہ ہے، اور جعالہ کہا جاتا ہے کسی عوضِ معلوم کا التزام کرنا کسی معین یا ایسے مجہول عمل پر جس کا علم مشکل ہو۔ جیسا کہ ''الموسوعة الفقهیه'' میں ہے۔

الجعالة هی التزام عوض معلوم علی عمل معین او مجهول عسر علمه وهو عقد علی عمل. (۳/۳۲۶)

اورجعالہ کے ارکان میں سے یہ ہے کہ کسی عمل پرعقد کیا جائے جبکہ اس عمل کا معلوم ہونا ضروری نہیں بخلاف اجارہ۔جیسا کہ ''روضة الطالبین للنووی'' میں ہے:

الركن الثالث العمل فماله تجوزا لاجارة عليه من الاعمال لكونه مجهو لا،تجوز الجعالة عليه للحاجة. (۳۳۷/۴)

اوران حضرات کااس کوجعالہ قرار دینے کی وجہ یہ ہے کہ دلالی میں عقدعمل پر ہوتا ہے۔اور جب عمل نہ کرے تو اجرت نہیں ملتی اوراس میں جہالت ہوتی ہے کہ بیع میں کتنے کلمات استعمال ہونگے نیز اس میں اجل یعنی مدت متعین نہیں ہوتی جبکہ جعالہ میں یہ سب باتیں ملتی ہیں۔

چنانچہ ''المدونة الكبرىٰ'' میں ہے۔

قلت هل يجوزا جرالسمسار فی قول مالك؟قال سالت مالكا عن البزاز ،يدفع له الرجل المال يشترى له بزا، ويجعل له فی كل مأة يشترى له بهابزا ثلاثة دنا نير ،قال:لابأس بذلك،قلت أمن الجعل هذا ام من الاجارة؟ قال هذا من الجعل.........۴۵۶/۴ باب فی جعل السمسار.

اورعلامہ عینی نے لکھاہے:

اجرة السمسار ضربان اجارةوجعالة......والثانی:لايضرب فيها اجل ،هذا هوالمشهور من المذهب(۸۵/۱۰)

جعالہ پراحناف کاتبصرہ:

لیکن احناف کے نزدیک جعالہ بھی ایک ناجائز معاملہ ہےجیسا کہ ''اعلاء السنن'' میں ہے۔

والجعاله لا يضرب فيها اجل،ولا يستحق فيها شيئا،الا بتمام العمل،وهی فاسدة عندنا لجهالة العمل وله والا جرمعا،اوجهالة احدهما أخرى. (۲۰۱/۱۶)

البتہ جعالہ کوبھی تعامل ناس اورحاجت عامہ کی صورت میں جائزقرار دیا گیا،جیسا کہ ابن الملقن نے''الاشباہ والنظائر'' میں لکھا ہے

الخاصة فی صنور الحاجة العامة تنزل منزلة الضرورة.... الثالثة الدال على القلعة بجارية منها يصح للضرورة مع ان الجعل يجب ان يكون معلوما مقدوراعلى تسليمه،مملوكااذاكان معينا،وهذا الشروط مفقودة ههنا. الرابعة الجعالة ثابتة على خلاف الاصل فی المجهول،لا يمكن ان يستأجرعليه،ومع ذلك،يصح على العمل على الاصح ,(۳۴۶ -۳۴۷)

جواز پرفقہائے کرام کی تصریحات:

اسی حاجت کی وجہ سے بہت سارے فقہاء نے کمیشن کے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔چنانچہ فقہائے احناف کے اقوال پیچھے گذرچکے ہیں۔اب دیگر مذاھب کے چند فقہاء کے اقوال ذکر کئے جارہے ہیں۔

فقہ مالکی:

چنانچہ امام مالک، ربیعہ الرائ، یحیٰ بن سعید، کے اقوال "المدونة الكبرىٰ" میں ہے

قال الليث بن سعد وكتبت الى ربيعة كيف ترى فى رجل،دفع الى صاحب له دنانيريشترى له بابزا ويعطيه على كل مأة اربعة دنانيز،ان طلبه وحده،قال ابن وهب وبلغنى عن يحى بن سعيد فى رجل،يجعل للرجل على كل مأة ثوب يشتريها دينارا قال لااری على من اعطى ديناراًاو دينارين على شيئ ،يتباعه له قرب اوبعد بأسا، قال بن وهب قال لى مالك لابأس به. (۴/۴۵۶)

فقہ حنبلی:

امام احمدؒ کا مذہب بھی جواز کا ہے جیسا کہ "المغنی لابن قدامة" میں ہے۔ (۴۱۹۷)

ويجوزان يستأجر سمسارايشترى له ثيابا ورخص فيه ابن سيرين وعطاء والنخعى وكرهه الثورى وحماد ولنا انها منفعة مباحة تجوزالنيابة فيها،فجازا لا ستيجار عليه كالبناء.........فان عين العمل دون الزمان فجعل له من كل ألف درهم شيئا معلوماصح ايضا. (۶/۴۶)

فقہ شافعی:

امام شافعیؒ کا بھی یہی قول ہے جیسا کہ تجرید میں ہے "له ثوبالم يجز". وقال الشافعیؒ يجوز. (۷/۳۶۹۳)

اورامام بخاریؒ نے اس کے جواز پر ابن سیرین، عطاء ابراہیم اور حسن کے مذاہب ذکر کئے ہیں۔

باب اجرالسمسار ولم يرابن سيرين وعطاء وابراهيم والحسن باجر السمسار بأسا. (۱/۳۰۳)

علامہ عینی نے بھی "عمدۃ القاری" میں فقہاء کے اقوال ذکر کئے ہیں۔

باب أجرالسمسار وهذا الباب فيه اختلاف للعلماء وقال مالك يجوزان يستأجره على بيع سلعته اذا بين لذلك اجلا،قال وكذلك اذا قال بع هذا الثوب ولك درهم،انه جائز،وان لم يوقت له ثمناو كذلك ان جعل له فى كل مأة دينار شيئا،وهوجعل،وقال احمد لابأس ان يعطيه من الالف شيئا معلوما. (۱۰/۸۵)

الغرض حاجت وتعامل ناس کے پیش نظران ائمہ فقہاء کے مذہب (یعنی بروکر کا بروکری کے کمیشن لینے کے جواز) پرفتویٰ دیا جائے گا، اسی لئے معاصرین کے جماہیر علماء نے اسی پرفتویٰ دیا ہے۔

جانبین سے اجرت لینا: واضح رہے کہ دلال کی دوحیثیتیں ہیں ایک تو یہ ہے کہ وہ ایسا کمیشن ایجنٹ ہو جوصرف بائع یاصرف مشتری کی ترجمانی کرتے ہوئے اس کاوکیل بنتا ہے۔اور خود اس کی طرف سے عقد کرتا ہے،اس صورت میں صرف اسی سے اجرت لے سکتا ہے

جس کا وہ وکیل ہو۔دوسرے سے نہیں لے سکتا کیونکہ جب اس نے فریق ثانی کی ترجمانی اور دلالی نہیں کی ،تو وہ اس سے اجرت کا بھی مستحق نہیں ہوتا جیسا کہ ''جامع الفصولین''میں ہے:

الدلال اذا با ع العين بنفسه باذن مالكه ليس له اخذ الدلالة من المشترى،اذا هو العاقد حقيقة،وتجب الدلالة على البائع،اذا قبل بأمر البائع. (۲/۲۱۱)

اور''المعیار المغرب''،جس میں افریقہ اندلس اور مغرب کے علمائے کرام کے فتاوی جمع کئے گئے ہیں''اس میں ہے۔

سئل :اذاأخذالسمسار من المشترى لمكان مااشتراه له،فهل يجوزله الاخذمن البائع ام لا؟

فأجاب :ان تطوع له البائع بشئ جازله،وانما حقه على من اشتراه له،قيل له :فقد قال بعض اصحابنا :ان اعطاه البائع شيئا،فهو للمشترى،الأن يجعله المشترى من ذلك فى حل،فقال :انما معنى ذلك اذاكان بشرط،وان لم يكن بشرط،فلا بأس به واما من اعطاه اياه بشرط،فهو للمشترى. (۸/۳۶۳)

اس حوالہ سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ اگر بدون شرط ایک کی طرف سے ایجنٹ یا وکیل ہونے کے باوجود اگر دوسرا آدمی بخوشی کچھ دیدے تو وہ اس کے لئے حلال ہے،البتہ دوسرے سے شرط کر کے جولیا جائے گا وہ مؤکل کا ہوگا۔

دوسری حیثیت یہ ہے کہ وہ کسی کا وکیل نہ بنے بلکہ دونوں جانب یعنی بائع ،مشتری دونوں کو خدمات انجام دے تو دونوں جانب سے اجرت لینا بھی جائز ہے جیسا کہ ''الدر المحتار''میں ہے:

وأما الدلال فان با ع العين بنفسه باذن ربها،فاجرته على البائع،وان سعى بينهما،وبا ع المالك بنفسه يعتبر العرف وتمامه فى شرح الوهبانية.

وفى هامشه ردالمحتار:

"قوله فاجرته على البائع"وليس له أخذ شيئ من المشترى،لانه هو العاقد حقيقة،شرح الوهبانية.وظاهره انه لا يعتبر العرف هنا لانه لا وجه ." قوله يعتبر العرف " فتجب الدلالة على البائع او المشترى اوعليهما بحسب العرف.جامع الفصولين (۴/۵۶۰)

صورت مسئولہ میں مذکورہ شخص اگر کسی ایک کی طرف سے خاص ایجنٹ نہ ہو تو اس کیلئے دونوں طرف سے اجرت لینا جائز ہے ورنہ جس کا ایجنٹ ہو صرف اس سے لے سکتا ہے دوسرے سے نہیں۔

اصل بائع یا مشتری کو معلوم کرائے بغیر اجرت لینا:

رہا یہ مسئلہ کہ اگر بروکر کسی اجرت کی تعیین کے بغیر اور بائع ومشتری کو اصل قیمت کے معلوم کرانے کے بغیر نفع کی ایک مقدار اجرت کے طور

پر لے لیتا ہے۔ تو یہ کیسا ہے؟ سواس میں چند صورتیں ہیں ایک تو یہ ہے کہ اصل بائع و مشتری سے جھوٹ بولا جائے اور ان کو اصل قیمت سے ناواقف رکھ کر تلبیس کے ساتھ بہت زیادہ کمیشن کھالے جو عام رواج میں نہیں لیا جاتا ہے یا اس مبلغ کی اجرت دلالی نہیں بنتی ہے تو یہ غرر اور دھوکہ کی وجہ سے ناجائز اور حرام ہے اسی علت پر بیع حاضر للبادی کو ناجائز قرار دیا گیا جیسا کہ شروع میں ذکر کیا گیا کہ اس میں بادی یعنی باہر سے آنے والوں سے تلبیس اور دھوکہ سے کام لے کر نفع کمایا جاتا ہے، لہذا وہ ناجائز اور حرام ہے اور معاصرین میں جن حضرات نے مقدار معلوم کرا کے کمیشن لینے کو ناجائز کہا ہے وہ اسی پر محمول ہے۔

دوسری یہ کہ شروع میں دھوکہ و تلبیس کی نیت کے بغیر عرف پر بناء کر کے تعیین نہ کی جائے تو یہ ناجائز نہیں کیونکہ جن حضرات فقہاء نے اس معاملہ کو ناجائز کہا ہے انہوں نے بھی جواز کا حیلہ یہ بتایا کہ پہلے اجرت متعین نہ کیجائے پھر کام کر لینے کے بعد اجر مثل دیدیا جائے جبکہ اجر مثل سے زیادہ لینا جائز نہیں ہے جیسا کہ ''مبسوط للسرخسی'' میں ہے

قال ابو یوسف ومحمد رحمها الله. ان شاء أمره بالبیع والشراء، ولم یشترط له اجر فیکون وکیلا معینا له ثم یعوضه بعد الفراغ من العمل مثل الاجر، وابو حنیفة فی هذا لا یخالفهما، فان التعویض فی هبة الأعیان مندوب الیه عند الکل، فکذلك فی هبة المنافع وانماجزاء الاحسان الاحسان (۱۵/۱۱۵ ط. دار الکتب العلمیة)

اور ''المحیط البرهانی'' میں ہے:

والحیلة فی ذلك من وجهین........ الثانیة ان یأمره ان یبیعه ویشتری له شیئا فیکون معینا له، ثم یعوضه بعد الفراغ من العمل بمثل ذلك الاجر (۱۱/۳۲۵)

البتہ اس صورت میں عمل کے بعد بھی معلوم نہ کرائے تو کیا حکم ہے؟ سواس کی بناء اس بات پر ہے کہ آیا شروع میں اجرت متعین نہ کرے تو بعد میں دلال اجرت کا مستحق اور اجرت اس کا شرعی حق ہے یا نہیں؛ اس بارے میں فقہ حنفی کی مشہور کتاب ''المحیط البرهانی'' میں تصریح ملتی ہے، چنانچہ انہوں نے فرمایا:

لأن هذا اعانة ابتداء واجارة انتهاء، لهذا قال مشائخنا رحمهم الله. یجبر علی اعطاء العوض اذا امتنع، ثم فی السمسار، وجمیع ما کان فاسدا من ذلك، اذا باع واشتری، فله اجر المثل، ولا یجاوز به المسمی کما فی سائر الاجارات الفاسدة. (۱۱/۳۲۵)

اس حوالے میں اس کو انتہاء اجارہ قرار دیا اور اس کو عوض دینے سے انکار کرے تو اس کو اجرت دینے پر مجبور کرنے کا جواز نقل کیا اور یہ بات ظاہر ہے کہ اجارہ کی اجرت پھر اس کو اداء کرنے پر مجبور کرنا جب ہو سکتا ہے جب یہ حق ہو۔

اب اگر معاملہ ایسا ہو کہ اگر بعد میں مقدار اجرت معلوم کرائے تو وہ اجر مثل نہیں دیگا تب تو وہ اپنا حق جبرا لے سکتا ہے اور بغیر معلوم کرائے بھی لے سکتا ہے اس کو ''ظفر علی المال'' کہا جاتا ہے جس کو امام صاحب کے ایک قول کے مطابق جائز ہے چنانچہ علامہ ابن حجر نے

ھند بنت عتبة کے حدیث کے بعد لکھا ہے۔

عن عائشة ان ھندا بنت عتبة قالت یا رسول الله ان أباسفیان رجل شحیح،ولیس یعطی ما یکفینی واولادی الا مااخذت منه،وھو ال یعلم،فقال خذی مایکفیك وولدك، (رواه البخاری رقم :۵۳۶۴)

اور"فتح الباری"لابن حجر میں ھے:

واستدل به علی أن من له عند غیره حق،وھو عاجز عن استیفائه،جازله أن یاخذ من ماله قدرحقه بغیر اذنه،وھو قول الشافعی وجماعة تسمی مسئلة الظفر،والراجح عندھم لا یأخذ غیر جنس حقه،الااذاتعذر جنس حقه، عن أبي حنیفة المنفع،وعنه یأخذ جنس حقه ولا یأخذ من غیر جنس حقه،الا أحدالمنقدین بدل الآخر(۹/۵۰۹

اوراگر اصل بائع یامشتری اجرمثل دینے سے منکر نہ ہوتو بغیر اجرت معلوم کرائے اجرت لے لینا مناسب نہیں ہے اگر چہ عرف پر بناء کرتے ہوئے جائز ہے لیکن احتراز اولیٰ اور افضل ہے۔

خلاصة البحث :

کمیشن پر خرید وفروخت کا پیشہ مباح ہے۔اور اپنی محنت اور کام کے موافق پہلے سے مناسب اجرت طے کردی جائے۔تو طے کردہ اجرت ایک فریق (پارٹی) سے بھی لے سکتا ہے اور دونوں فریق سے بھی۔البتہ اُجرت طے شدہ اور متعین ہونا چاہیئے۔فیصد کی صورت میں ہو یا متعین رقم کی صورت میں ہو۔معاملہ مبہم نہیں رہنا چاہیئے۔واللّٰہ اعلم بالصواب.

اہل علم کی دلچسپی کے لئے مجلس التحقیق الفقہی کے مجلّات

زیرنگرانی: مولانا سید نسیم علی شاہ الہاشمی

(1) سہ ماہی المباحث الاسلامیہ (اُردو): سائنس وٹیکنالوجی کے تحقیقات وایجادات سے پیش آنے والے مسائل کا فقہی حل اہم اور جدید مسائل پر مشتمل علمی، تحقیق کا حامل اور فکرِ اسلامی کا ترجمان

صفحات: 136　　زرِتعاون سالانہ: 240 روپے

(2) ششماہی البحوث الاسلامیہ (عربی): اہم اور جدید مسائل پر مشتمل پاکستان اور عالم اسلام کے جید علماء کی علمی تحقیق (عربی زبان میں)

صفحات: 136　　زرِتعاون: 200 روپے

برائے رابطہ: ناظم دفتر مجلس التحقیق الفقہی جامعہ المرکز الاسلامی پاکستان ڈیرہ روڈ بنوں

فون: 0092-928-331353　　فیکس: 331355

طب جدید

ضبط تولید کی بعض نئی صورتیں اور شرعی حکم

مولانا مفتی غلام الرحمٰن

مہتمم جامعہ عثمانیہ نوتھیہ پشاور صدر

پیش کردہ: (چھٹا بنوں فقہی اجتماع بعنوان جدید میڈیکل سائنس اور متعلقہ فقہی مسائل)
بمورخہ ۱۸،۱۹ نومبر ۲۰۰۶ء بمقام جامعہ المرکز الاسلامی پاکستان ڈیرہ روڈ بنوں۔

خاندانی منصوبہ بندی یا بہبود آبادی کے جاذب عنوان سے تحدید ولادت کی جو تحریک چل رہی ہے، یہ ایک علاقائی یا ملکی مسئلہ نہیں بلکہ بین الاقوامی مسائل کی فہرست میں اس کو خاص جگہ دی گئی ہے۔ اس کی پشت پر دنیا کی وہ بڑی طاقتیں کھڑی ہیں جو مادر پدر آزاد معاشرہ کے قیام کی علمبردار ہیں اور اپنے مقررہ اہداف تک رسائی کیلئے ایک آسان راستہ سمجھی ہیں۔ گویا اس میں کسی مجبوری اور قابل رحم صنف یا کسی شخص کی خیر خواہی کم اور آزاد معاشرہ کے قیام کا عمل زیادہ کارفرما ہے۔ تاہم یہ الگ مسئلہ ہے کہ عیاری اور چالاکی سے کام لے کر کبھی اس کو خواتین کے حقوق کے چارٹر میں ڈالا جاتا ہے اور کبھی اس کو نادار اور مفلس معاشرہ کی خیر خواہی اور ہمدردی کا لباس پہنایا جاتا ہے۔

ہمارے ملک میں یہ کام صرف وزارت فلاح و بہبود ترقی کے ذمہ نہیں بلکہ اس وزارت کی تخلیق کا مقصد بھی یہی مسئلہ ہے۔ لاتعداد غیر سرکاری تنظیمیں (این جی او) ''N,G,O'' اس مقصد کے آلہ کار ہیں۔ آئے دن اس کی تشہیر و ترغیب پر اربوں روپے خرچ ہوتے ہیں۔ اور ملکی بجٹ میں اس کے لئے معقول حصہ وقف ہے۔ اقوام متحدہ اور عالمی تنظیمیں اس کی نگرانی پر مامور ہیں۔

نظریاتی اختلاف: ضبط تولید بذات خود کوئی ایسا جدید مسئلہ نہیں جس پر جدت پسندوں کے جدید افکار اور آراء کو سنجیدگی مل سکے۔ بلکہ قرآن وحدیث کے نصوص کے علاوہ فقہی ذخیرہ میں اس پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ اور ان ہی میں ہماری رہبری اور رہنمائی کا کافی مواد پایا جاتا ہے۔ شریعت نے دیگر مسائل کی طرح اس پر بھی توجہ دی ہے لیکن کچھ مدت سے اس کو بھی ان مسائل کی فہرست میں ڈالا گیا جن سے اسلامی معاشرہ کو ایک چیلنج کے طور پر سامنا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مغربی دنیا جو آج کل برتھ کنٹرول کا علمبردار ہے، نے جن اہداف و مقاصد کو لے کر اس مسئلہ کو اچھالا ہے وہ اہداف بنیادی طور پر اسلام کے زریں اصول سے متصادم ہیں۔ مغربی دنیا اس کو معیشت کا مسئلہ سمجھتی ہے اور وسائل اور مسائل میں توازن پیدا کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ وسائل کی پیداوار جب دائرہ اختیار میں نہ ہو تو مسائل کے حوالہ سے آبادی کو کنٹرول کرنا اس کا بہتر علاج سمجھا گیا ہے۔ جب لوگ کم پیدا ہوں گے تو مسائل نہیں بڑھیں گے یہ موجودہ وسائل کی بہتر ترتیب بن کر معاشرہ میں آسائش اور آرام رہے گا اس بہبود آبادی کے حوالہ سے جو اشتہار دیا جاتا ہے اس میں بھی یہی ترغیب ہوتی ہے کہ زندگی آسان بنانے کے لئے آبادی کو قابو میں رکھو (چھوٹا خاندان زندگی آسان) یا (بچے دو ہی اچھے) اسی نظریہ کا احیاء ہے۔

لیکن اسلامی معاشرہ میں اس نظریہ کو فروغ ملنا مشکل ہے کیونکہ اسلامی نقطہ نظر سے وسائل اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے وسائل کا کنٹرول اپنے پاس رکھ کر انسان کو اس کا مختار نہیں بنایا۔ اسلام کہہ رہا ہے کہ اگر انسان کے اختیار میں وسائل کا کنٹرول دیا جائے تو اس سے افراتفری پیدا ہو کر نظام کی بقاء مشکل ہے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے۔ **قل لو انتم تملکون خذائن رحمته ربی اذالا مسکتم خشیة الانفاق و کان الانسان قتوراً (بنی اسرائیل ۹۹)** ترجمہ۔ فرمادیجئے اگر میرے رب کی رحمت کے خزانے تمہارے اختیار میں ہوتے تو تم انہیں خرچ ہونے کے ڈر سے بند کر رکھتے۔ انسان بڑا تنگ دل ہے۔

اس طرح دوسری جگہ فرمایا ہے ''**ولو بسط الله الرزق لعباده لبغوا فی الارض ولکن ینزل بقدر مایشاء انه علیهم بصیر (الشوری ۲۷)**'' ترجمہ۔ اگر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی روزی حد سے کشادہ کردے تو وہ زمین پر سرکشی کرنے لگیں لیکن وہ ایک اندازہ سے اتارتا ہے جتنا چاہتا ہے۔ بے شک وہ اپنے بندوں سے خوب خبردار اور دیکھنے والا ہے۔

جب اسلام اس نظریہ سے بنیادی طور پر اتفاق نہیں رکھتا کہ وسائل انسانی دائرہ اختیار میں ہیں۔ تو مغربی نظریہ کو ایسے معاشرہ میں فروغ ملنا مشکل ہے اور نہ کہیں ایسی محنت اس میدان میں ثمر آور ہو سکتی ہے، جہاں موجودہ خاندانی منصوبہ بندی کو اسلامی اصول کے مطابق ثابت کیا جا سکے۔ ایسا ہی یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مغربی دنیا کے فیملی پلاننگ کے نظریہ کی ترویج میں نوع انسان کی ہمدردی کا جذبہ کم دکھائی دیتا ہے۔ یہ تو ایک ڈھال ہے ورنہ آزاد معاشرہ کا قیام ہی اس کا بنیادی ہدف ہے، جس کیلئے کبھی حقوق نسواں کبھی انسانی حقوق کے نام سے تنظیمیں بنائی جاتی ہیں۔ علاوہ ازیں کئی دوسرے سیاسی مقاصد کی تکمیل کا جذبہ بھی اس میں کارفرما ہے۔ اگرچہ حکومتیں اس کے لئے رات دن ایک کئے ہوئے کام کرتی ہیں لیکن جملہ تدبیریں ناکام ہو کر حکومت والے پریشان ہیں اور ۲۰۲۰ء تک دنیا میں مبینہ خطرناک درجہ تک اضافے کی پیشگوئی کی جاری ہے۔ اس کے ساتھ ردعمل کے طور پر اسلامی معاشرہ میں یہ رویہ بھی غیر مستحسن ہے کہ بسا اوقات شرعی گنجائش کے باوجود بھی لوگ بیمار خواتین کے علاج سے تساہل برتتے ہیں۔ بعض خواتین موت کے منہ میں جانے کے باوجود اس کو ناجائز سمجھتی ہیں اور نہ خاوند اس کے لئے تیار ہوتا ہے کہ مانع حمل دوائی استعمال کرا کے وقفہ رکھا جائے۔ اسلام اس مسئلہ کو معیشت کی بجائے صحت کے حوالہ سے دیکھتا ہے۔ ماں اور بچے کی صحت کو مدنظر رکھتے ہوئے بسا اوقات یہ تدبیریں ضروری رہتی ہیں۔ ایسا معاشرہ میں ہم آہنگی پیدا کرنے کیلئے اس کی ضرورت پڑتی ہے کہ بچوں کی پیدائش میں کچھ وقت کے لئے وقفہ رکھا جائے لیکن معیشت کے حوالہ سے اس کو دیکھنا اسلام کے بنیادی اصولوں سے متصادم ہے۔ اسلام میں فلسفہ نکاح کے حوالہ سے بھی اس نظریہ کو قبول کرنا مشکل ہے کیونکہ اسلام میں نکاح سے بنیادی مقصد افزائش نسل اور بقاء نوع انسانی ہے جبکہ مغربی معاشرہ اس کو صرف خواہشات کی تکمیل تک محدود سمجھتا ہے۔ چنانچہ وہ معاشرہ اولاد کی تربیت کے بوجھ سے بری الذمہ ہو کر ایسی چیزوں کو آزادی کے لئے مانع اور رکاوٹ سمجھتا ہے۔ جبکہ اسلام اولاد کی بہتر تربیت کو والدین کے لئے عبادت سمجھتا ہے۔

ضبط تولید کی ممکنہ صورتیں: موجودہ دور میں خاندانی منصوبہ بندی والے تین طریقوں سے اس نظام کو تھامے ہوئے ہیں۔ معیشت

کے حوالہ سے قطع نظر ایک معاشرتی ضرورت یا صحت کے حوالہ ان طریقوں کے تجزیہ کے بارے میں جائز اور ناجائز صورتوں کی تعیین علماء کی بنیادی ذمہ داری ہے۔ اور پھر یہ معاشرہ کا فرض بنتا ہے کہ ناجائز صورتوں سے اجتناب کرے اور جائز صورتوں سے، جہاں ضرورت ہو فائدہ اٹھائے۔

تدارک حمل: برتھ کنٹرول کا یہ عام طریقہ ہے کہ جہاں میاں بیوی مباشرت کرتے وقت کچھ ایسے ذرائع اور وسائل استعمال کریں جس سے علوق نہ ہونے پائے۔ مانع حمل دوائیوں، ٹیوب کا استعمال یا عورت کا مخصوص وقت کے لئے علوق کے ذرائع کو بند کرنا اس طریقے کا علاج ہے۔ شریعت اسلامی کی رو سے ایسے معالجہ کے لئے قدیم دور میں جو ذریعہ استعمال کیا گیا، اسے عزل کہا جاتا ہے۔ گویا یہ عزل کی ایک جدید شکل ہے جہاں علوق بننے نہیں دیا جاتا ہے۔ ایسی تدبیریں اختیار کی جاتی ہیں جن سے رحم میں نطفہ پہنچنے نہیں دیا جاتا ہے۔ عزل کے بارے میں دو پہلو پائے جاتے ہیں کہ کہیں اس پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا گیا ہے اور کہیں اس کی اجازت دی گئی ہے۔

علامہ نووی ان دونوں روایات کو مدنظر رکھتے ہوئے فرماتے ہیں۔

ثم ان هذه الاحاديث مع غيرها يجمع بينهما بان ماورد في النص محمول على كراهة تنزيهية وماورد في الاذن في ذلك محمول على انه ليس محرام وليس معناه نفي الكراهة (مسلم ۱/۴۶۴) ترجمہ: پھر ان روایات کے درمیان تطبیق کی صورت یہی ہے کہ جہاں کہیں ممانعت ہے اس سے کراہت تنزیہی مراد ہے اور جہاں اجازت دی گئی ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ یہ حرام نہیں جس کا یہ مقصد نہیں کہ یہ ناپسندیدہ بھی نہیں۔ اس لحاظ سے (عزل) بذات خود مباح ہے اور کسی مباح کام کیا ارتکاب کا حکم اس کے محرک کو دیکھتے ہوئے لگا دیا جاتا ہے اگر اس کا سبب جائز ہو تو جائز اور اگر سبب ناجائز ہو تو پھر وہ مباح غیر مستحسن وصف مجاور کی وجہ سے اپنی حیثیت کھو بیٹھتا ہے۔ فقہاء کے ہاں یہ مسلمہ حقیقت ہے **(الامور بمقاصدها)** یعنی کسی چیز کے جواز و عدم جواز یا حلت و حرمت مقاصد کو سامنے رکھتے ہوئے ظاہر ہوتی ہے (مباح) کا ارتکاب کس لئے ہے اگر کسی جائز کام کی وجہ سے ہو تو یہ جائز رہے گا ورنہ جہاں کہیں علت باعثہ یا وصف محرک ناجائز ہو تو پھر امر مباح کرنا بھی جائز نہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ معاشرتی ضرورت کی وجہ سے بسا اوقات مباح کا ارتکاب ضروری سمجھا جاتا ہے۔ لیکن اس کا دائرہ بھی محدود ہے بشرط یہ کہ معاشرتی ضرورت شریعت کے کسی واضح حکم سے متصادم نہ ہو۔

اسلئے معاشی ضرورت کی وجہ سے ضبط اولاد جائز نہیں۔ ہاں جہاں کوئی جائز سبب موجود ہو وہاں مانع حمل دوائیوں کا استعمال جائز ہے۔ فقہاء کی عبارت میں چند اسباب کے جواز کا تذکرہ ملتا ہے۔

(۱) عورت کی صحت:

کبھی کسی خاتون کا حمل اس کی صحت پر ناقابل تحمل حد تک اثر انداز ہوتا ہے۔ وقفہ نہ رکھنے کی صورت میں یا خاتون زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھتی ہے اور یا ایسی بیماری کا شکار ہوتی ہے جو آئندہ جا کر اس کے لئے ناقابل تحمل رہتی ہے۔ ایسی صورت میں خود اس خاتون کا ظن غالب ہو

یا دیندار اور ماہر ڈاکٹر اس کو مشورہ دے تو ایسی صورت میں مانع حمل دوائیوں کا استعمال جائز ہے۔ قرآن ایک عام قانون بیان کر رہا ہے
ولا تقتلوا انفسکم ان اللہ کان بکم رحیماً۔ اپنے آپ کو قتل نہ کرو اللہ تعالیٰ تم پر بڑا مہربان ہے۔
آج کل بعض خواتین شوگر اور بلڈ پریشر کا اس درجہ میں بیمار رہتی ہیں۔ کہ حمل ہونے پر ان کی صحت پر مہلک اثرات پڑتے ہیں۔ ایسی خاتون بھی اپنی صحت کو مدنظر رکھ کر مناسب فیصلہ کر سکتی ہے۔

(۲) بچوں کی صحت:

یہ بھی ایک مناسب سبب ہے کہ بچوں کی صحت کو سامنے رکھتے ہوئے بچوں کی ولادت میں معقول وقفہ رکھا جائے۔ بعض بچے والدہ کے دودھ کے علاوہ دوسری چیز پر گزارہ نہیں کر سکتے۔ اگر جلدی حمل ہو تو گود میں بچے کو صحت پر منفی اثرات پڑتے ہیں۔ ایسی صورت میں عزل کرنے کوئی حرج نہیں۔

(۳) عورت کی بدمزاجی:

یہ بھی (عزل) کے جواز کے لئے مناسب ہے کہ کسی خاتون کی بدمزاجی کی وجہ میاں بیوی کی حیثیت سے رہنا مشکل ہو۔ خاوند کا ارادہ ہو کہ کچھ وقت انتظار کرنے کے بعد بیوی کا رویہ درست ہو گیا تو ٹھیک ہے، ورنہ طلاق سے جان چھڑاؤں گا۔ چونکہ بچے پیدا کرنے کے بعد پھر جان چھڑانا مشکل رہتا ہے۔ اگر خاوند اس وجہ سے بچوں کی پیدائش روکنے کا بندوبست کرے تو کوئی حرج نہیں۔

(۴) بچوں کی تربیت کا نہ ہونا:

اگر معاشرتی حوالہ سے بچوں کی تربیت باپ کے دائرہ اختیار میں نہ ہو یا معاشرہ ایسے حالات کا شکار ہو جہاں باپ بچوں کی تربیت نہیں کر سکتا ہو۔ یہ خطرہ ہو کہ بچے پیدا ہو کر بے دین بدکردار ہوں گے اور معاشرہ کے لئے بدامنی کا ذریعہ ثابت ہونگے تو ایسی صورت میں بچوں کی پیدائش میں رکاوٹ کے اسباب اختیار کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ فقہی ذخائر میں اس کے کافی نظائر پائے جاتے ہیں۔

(۵) گھریلوی ماحول میں استحکام پیدا کرنا:

اس میں کوئی شک نہیں کہ میاں بیوی کی پرسکون زندگی گزارنے کیلئے باہمی الفت ومحبت کا ہونا ضروری ہے۔ اگر بیوی بچوں کی بے دریغ پیدائش سے ایسی حالت کا شکار ہوتی ہو جہاں خاوند کی توجہ متاثر ہونے کا ظن غالب ہو۔ ہاں اگر بیوی کی صحت اچھی بھی ہو لیکن خوشگوار ماحول رہنے کا تعین ہو تو ایسی صورت میں اولاد کی پیدائش میں وقفہ کے لئے تدبیر اختیار کرنے مین کوئی حرج نہیں۔ بیوی کا خاوند کی توجہ کا مرکز بننا اس کے فرائض منصبی کا حصہ ہے۔ حضورؐ اچھی بیوی کی خوبیوں میں فرماتے ہیں۔ "ان نظر الیھا سرتہ" یعنی اگر خاوند اس کی طرف دیکھے تو سرور حاصل ہو۔ جہاں کہیں بیوی اس کے لئے اچھی تدبیر کرے تو مستحسن اقدام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بیوی کا خاوند کے سامنے زیب وزینت اور خوبصورتی پیدا کرنے کے لئے اچھے کپڑے پہننا یا زیورات پہننا صرف جائز نہیں بلکہ مستحسن اقدام ہے۔

(٦) کسی ملک میں عارضی سکونت:

بسا اوقات کسی ایسے ملک میں رہائش ہوتی ہے جہاں مستقل طور پر رہنا نہیں ہوتا ہے ممکن ہے ایسے ملک میں شادی کی ضرورت پڑے اور شادی صرف حفاظت نفس تک محدود ہو تو ایسے ملک میں بچوں کی پیدائش روکنا بھی جائز ہے۔

(٧) اہل کتاب خاتون سے نکاح:

اگرچہ موجودہ وقت میں عیسائی یا یہودی خاتون سے نکاح مناسب نہیں۔ اس سے ایسے معاشرتی مسائل پیدا ہوتے ہیں جنہیں کنٹرول کرنا پھر اس کے دائرہ میں نہیں رہتا۔ لیکن پھر بھی اگر کسی شخص نے آنکھیں بند کر کے اہل کتاب ہونے کی وجہ سے کسی عیسائی یا یہودی خاتون سے نکاح کیا اور یہ بھی خطرہ ہو کہ عیسائی یا یہودی بیوی کے گود میں پھلنے پھولنے والا بچہ میرا نہیں رہنا۔ اور ماں کا نظریہ اختیار کر سکتا ہے۔ تو ایسے بچوں کی پیدائش روکنے کے لئے اسباب اختیار کرنا جائز ہے۔

(٨) ملکی قانون سے مجبوری:

آج کل بعض ممالک میں دو سے زیادہ بچے پیدا کرنا قانونی جرم قرار دیا جاتا ہے۔ اگر کسی ملک نے ایسا قانون بنایا اور اس شخص کے لئے اس ملک میں رہنا ناگزیر ہو۔ تو اس قانون کی خلاف ورزی پر اسے سزا کا مستوجب قرار دیا جاتا ہو تو ایسی صورت میں سزا سے بچنے کے لئے حمل کے تدارک کے اسباب اختیار کرنا جائز ہے

ناجائز اسباب:

جہاں کہیں سبب جائز نہ ہو تو حمل کے تدارک کی تدبیریں اختیار کرنا جائز نہیں۔

(ا) مثلاً افلاس اور تنگدستی کے خوف سے: یہی وہ بنیادی تصور ہے جس کی وجہ سے خاندانی منصوبہ بندی والے کام کر رہے ہیں۔ کہ آبادی اگر کنٹرول میں رہی تو اس سے فقر و فاقہ اور غربت پیدا نہ ہوگی۔ دنیا اس کو معیشت کی نظر سے دیکھتی ہے شریعت کی رو سے اس وجہ سے اولاد کی پیدائش کے لئے رکاوٹ بننا جائز نہیں بلکہ معیشت کی وجہ سے اولاد کا بند کرنا قہر خداوندی کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ مشرکین مکہ کے معاشرہ میں اولاد کا قتل معاشی پہلو کی وجہ سے تھا۔ اس لئے قرآن کے واضح احکامات اس کے عدم جواز کے بارے میں ہیں فرمایا" ولا تقتلوا اولادکم خشیة املاق نحن نرزقکم وایاھم ان قتلھم کان خطا کبیرا (بنی اسرائیل) اولاد کو رزق کے ڈر کی وجہ سے قتل نہ کرو ہم تمہیں اور ان کو رزق دینے والے ہیں۔ یقیناً ان بچوں کا قتل بڑا گناہ ہے (ب) آزاد زندگی گزارنا: بعض لوگ اولاد کو بوجھ سمجھتے ہیں۔ شادی کو صرف خواہش کی تکمیل تک محدود رکھتے ہیں۔ خواتین بچوں کو سنبھالنے سے ڈرتی ہیں اور باپ ذمہ داریوں سے چھٹکارا پانے کے لئے اولاد کے بوجھ اٹھانے کے لئے تیار نہیں ہوتا ہے۔ چونکہ یہ فلسفہ نکاح سے متصادم ہے ہے اور نہ ایسے نامعقول رویہ کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے جس سے نسل انسانی کی بقاء اور نظام کائنات کا تسلسل متاثر ہو۔ اس لئے ایسے سبب کی وجہ